اکبر و اقبال کے طنزیہ اور مزاحیہ تصورات

محمد لقمان

Muhammad Luqman

Ph. D Scholar, Department of Urdu,
Govt. College University, Faisalabad.

حافظ عبید الرحمٰن

Hafiz Ubaid ur Rehman

M. Phil Scholar, Department of Urdu,
Lahore Garrison University, Lahore.

حسنین محسن

Hasnain Mohsin

M. Phil Scholar, Department of Urdu,
Lahore Garrison University, Lahore.

Abstract:

"Akbar Ilah Abadi and Allama Muhammad Iqbal were reputed classical Urdu poets of the sub-continent. They belong to the same era. Akbar's style of poetry is humorous and sarcastic whereas Iqbal has his own specific serious style. In spite of contrast in their style of expressions, both have common point of view about the different values of life. Underneath the wave of humour, Irony and witticism, we find pain in their poetry. They criticised aggressively prevailing Western values and vanishing Eastern values. The main domains of their humour and irony are religion, modern education, politics, Western civilization and culture. Their sense of humour and sarcasm really awoke the Muslims of sub-continent from

the deep sleep".

طنز نگار اور مزاح نگار اپنے معاشرے کی سیاسی، سماجی، تہذیبی اور مذہبی قدروں کی کج روی اور کج اخلاقی پر کڑی تنقید کرتا ہے۔ وہ اشارے کنایے میں معاشرتی خرابیوں کی خوب خبر لیتا ہے۔ طنز نگار بنیادی طور پر ہمدردی کے جذبات سے مغلوب ہو کر معاشرتی اصلاح کی غرض سے طنزیہ انداز اختیار کرتا ہے۔ کلیم الدین احمد طنز نگاری کے حوالے سے اپنی رائے کا اظہار کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> ''طنز نگار سارے جذبات پر تصرف رکھتا ہے، وہ ہنستا بھی ہے، روتا بھی ہے، وہ ہمدردی، ترحم، انصاف، فیاضی کے جذبات ابھارتا ہے اور ساتھ ساتھ وہ غصہ، بغض، حقارت اور فیاضی کے جذبات کو بھی بھڑکاتا ہے۔''(۱)

ظرافت اور مزاح کا تعلق ہنسنے سے ہوتا ہے جس طرح ہنسنے کے مختلف روپ ہیں، اس میں زیرِ لب تبسم بھی شامل ہے اور فلک شگاف قہقہہ بھی۔ ظرافت و مزاح (Humour) کی تعریف یہ ہے کہ ہم کسی حادثہ، واقعہ، سانحہ یا کسی بات پر ایک سلیقہ سے ہنس پڑیں یا مسکرا دیں۔ ولیم ہیزلٹ (William Hazlitt) ظرافت اور مزاح کے ضمن میں لکھتے ہیں:

> ''لفظ ظرافت کبھی شریفانہ اور ہمدردانہ ہنسی میں محدود ہوتا ہے اور کبھی بذلہ سنجی کے سہارے ذہین اور تمسخرانہ ہنسی کو انگیخت کرتا ہے۔''(۲)

ملا واحدی ظرافت کی تعریف کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> ''ایسی ظرافت جو نری ظرافت ہو اور اس کے اندر کوئی اخلاقی نصیحت نہ ہو یا کوئی نکتہ مذہبی، سوشل یا فلسفیانہ نہ پیدا ہو، کچھ اچھی معلوم نہیں ہوتی۔''(۳)

اکبر اور اقبال کی طنزیہ اور مزاحیہ شاعری کو انیسویں صدی کے آخر اور بیسویں صدی کے اوائل میں عروج حاصل ہوا۔ یہ وہ زمانہ تھا جب انگریز ہندوستان پر اپنے قدم مضبوط کر چکے تھے۔ انگریزوں نے ہندوستان کی مذہبی، سیاسی، سماجی، معاشی اور تعلیمی زندگی کو بری طرح مجروح کر کے رکھ دیا تھا۔ ہندوستان کی قدیم معاشرتی اقدار خطرات سے دوچار تھیں۔ ہر کوئی جدیدیت کے سیلاب میں بہتا چلا جا رہا تھا۔ ایسے حالات میں اکبر اور اقبال نے طنزیہ اور مزاحیہ انداز اپنا کر قوم کی اصلاح کا بیڑا اٹھایا۔ ڈاکٹر وزیر آغا اس حوالے سے لکھتے ہیں:

> اردو کی طنزیہ شاعری میں اکبر الہ آبادی کی اجتہادی روش کے بعد اگلا اہم قدم علامہ اقبال نے اٹھایا۔ جب انھوں نے اردو شاعری میں طنز کو عالم گیر انسانی مسائل سے روشناس کرانے میں کامیابی حاصل کی۔ آغاز کار میں علامہ اقبال نے اکبر الہ آبادی کا تتبع کیا اور اپنی قادر الکلامی کے طفیل اس خاص انداز میں بھی اپنے جوہر دکھائے۔''(۴)

اکبر بیسویں صدی کی ہندوستانی معاشرت کے نقاد، مسلمان قوم کے نباض اور ان کے زوال کے مرثیہ خواں تھے۔ اپنی قوم کے شاندار ماضی کے ساتھ ساتھ مستقبل پر بھی ان کی کڑی نظر تھی۔ ایک ماہر طبیب کی طرح ان کی انگلیاں ہر حال میں قوم کی نبض پر رہتی تھیں۔ انھوں نے اپنی قوم کے نقائص اور امراض کی تشخیص کی۔ ایک ماہر جراح کی طرح انھوں نے قوم کی خامیوں، حماقتوں، برائیوں، لاپروائیوں اور کج ادائیوں پر مبنی ناسوروں کی جراحی کا فریضہ انجام دیا کیوں کہ وہ جانتے تھے اگر تعصب، خودغرضی، بدعنوانی اور بداخلاقی کے ان بہتے ہوئے ناسوروں کا علاج تجویز نہ کیا گیا تو پوری قوم تعفن (Septicemia) کے مرض کا شکار ہو جائے گی۔ رحیم دہلوی اس ضمن میں رقم طراز ہیں:

> ''اکبر نے اپنے مخصوص تکنیک اور خاص طرز بیان اور مزاح لطیف سے قوم کے پھوڑوں پر طنزیہ نشتر لگا کر جو شاندار کام انجام دیا اس پر میر نیرنگ نے انھیں لسان العصر کا خطاب دیا تھا۔''(۵)

اکبر مسلمان قوم سے مخاطب ہو کر کہتے ہیں:

اندازِ سلف کو یک قلم بھولی قوم
ہے سالک رہِ غیر معمولی قوم
حمیت دین و دل سے کچھ کام نہیں
قوم اسکولی ہے اور اسکولی قوم

علی اختر حیدر آبادی اکبر کے طنزیہ اور مزاحیہ انداز کے حوالے سے لکھتے ہیں:

> ''اکبر نے قوم کے مرض کا جو علاج سوچا تھا، وہ نیک نیتی پر مبنی تھا۔ دوا کا کڑوا پن آسانی سے گوارا نہیں کیا جا سکتا۔ اکبر نے اپنی تجویزوں کو پیش کرنے کا ایسا طریقہ وضع کیا کہ ہر شخص انھیں دل چسپی اور توجہ سے پڑھ سکے اور سن سکے۔ دوا تھی مگر شکر میں لپٹی ہوئی، تلخیاں تھیں مگر نامحسوس حلاوتوں کے ساتھ۔''(۶)

اکبر کی طرح اقبال نے بھی قوم کو ہدف تنقید بنایا۔ قوم کو غفلت کی پرسکون نیند سے بیدار کرنے کے لیے وہ ناصحانہ انداز نہیں اپناتے۔ وہ پہلے قوم کے سر پر دستِ شفقت رکھتے ہیں پھر موزوں اور پرلطف الفاظ میں قومی غیرت وحمیت کو بیدار کرتے ہیں۔ گویا ان کا طنز ایک ماہر طبیب کی اس ''حبِ شفا'' کی مانند ہوتا ہے جو ذائقہ کے اعتبار سے کڑوی مگر تاثیر کے لحاظ سے شیریں ہوتی ہے۔ ان کا یہ طنزیہ انداز قوم کے لیے امرت دھارے اور آبِ حیات سے زیادہ مفید اور تیر بہدف ثابت ہوتا ہے۔ ڈاکٹر وزیر آغا اس ضمن میں رقم طراز ہیں:

> ''جب وہ باتیں کرنے لگتے ہیں تو نرم اور خوب صورت الفاظ کے عقب میں طنز کے زہر آلود تیر جھپٹتے چلے آتے ہیں اور ناظر ان کی چبھن بڑی شدت سے محسوس کرتا

ہے۔ان کی نظمیں ''نصیحت'' اور ''ملا اور بہشت'' اسی زمرے میں شامل ہیں۔''(۷)

اقبال ان نام نہاد مرشدوں اور ملاؤں پر طنز کرتے ہیں جو قوم کو بگاڑنے پر تلے ہوئے ہیں:

غضب ہیں یہ مرشدانِ خود بین، خدا تری قوم کو بچائے!
بگاڑ کر ترے مسلموں کو یہ اپنی عزت بنا رہے ہیں

ہے بدآموزی اقوام و ملل کام اس کا
اور جنت میں نہ مسجد ، نہ کلیسا، نہ کنشت

قوم کیا چیز ہے قوموں کی امامت کیا ہے
اس کو کیا سمجھیں یہ بیچارے دو رکعت کے امام

اکبر نے مذہب سے بھٹکے ہوئے لوگوں پر طنز کے شدید وار کیے ہیں۔ چونکہ وہ خود مذہب سے گہرا لگاؤ رکھتے تھے اس لیے ان کے کلام میں بے شمار اشعار ایسے ہیں جن میں مذہب سے بیگانگی پر مسلمانوں کو شدید تنقید کا نشانہ بنایا گیا ہے۔انھوں نے مذہب سے بیزار انگریزوں کی پیروی میں فخر کرنے والے نوجوانوں کو خوب آڑے ہاتھوں لیا ہے۔ڈاکٹر غلام حسین ذوالفقار اس حوالے سے لکھتے ہیں:

''مصلحین ہند مغربی علوم و افکار سے متاثر بلکہ مرعوب ہو کر جو تاویلات پیش کر رہے تھے وہ کچھ اس قسم کی تھیں جس سے بالآخر مذہب کو سجدہ سہو ادا کرنا پڑتا تھا۔ اسی طرح مذہب پر مادی مسائل اور تن پروری کے رجحانات اس قدر غالب آ گئے تھے کہ مذہب کا حقیقی مفہوم، یعنی حقیقت مطلق تک رسائی اور عرفان ہستی کی منزل انسان کی نظروں سے اوجھل ہو گئی تھی۔ اکبر اس قسم کے رجحانات کو ختم کرنا چاہتے تھے اور مصلحین کی مذہبی تاویلات کی تکذیب کر رہے تھے۔''(۸)

شیخ برگڈ کہتے ہیں مذہب ضروری ہے مگر
فائدہ مذہب کا جو کچھ ہے اس دنیا میں ہے
تاکید عبادت پہ یہ اب کہتے ہیں لڑکے
پیری میں بھی اکبر کی ظرافت نہیں جاتی

نہ نماز ، نہ روزہ ، نہ زکوٰۃ ، نہ حج ہے
تو پھر اس میں کیا خوشی جنت کوئی جج ہے

اکبر مذہب کو مادی مقاصد کے لیے استعمال کرنے والے لوگوں کو طنز کا نشانہ بناتے ہیں جو

مقاصد پورے نہ ہونے پر مذہب کو خیر باد کہہ دیتے ہیں۔ مذہب کو لباس کی مانند تبدیل کرنے والے لوگوں کے بارے میں اکبر لکھتے ہیں:

مذہب کے جو ہو رہیں تو سرکار کا خوف
مذہب سے اگر پھریں تو پھٹکار کا خوف

ڈاکٹر خواجہ محمد زکریا مذہب کے حوالے سے لکھتے ہیں:

''مذہب کی ظاہرداری ہی کافی نہیں۔ضروری ہے کہ دل اور زبان میں ربط کامل ہو۔ مذہب کے جو اصول لبوں پر ہوں، دلوں میں بھی انھی کا اثر ہو۔ انسان نماز پڑھے، روزہ رکھے اور دوسرے دینی احکام بھی بجالائے مگر اس کے ساتھ ساتھ انسانوں کے حقوق کو نظر انداز نہ کرے۔''(۹)

اکبر کہتے ہیں دین سے اغماض برتنے والی قومیں کبھی فلاح نہیں پا سکتیں۔ انھیں مسلمان نوجوانوں سے شکوہ ہے کہ انھوں نے اپنے قلوب سے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی محبت کو نکال دیا ہے۔

لامذہبی سے ہو نہیں سکتی فلاح قوم
ہرگز گزریں گے نہ ان منزلوں سے آپ
کعبے سے بت نکال دیے تھے رسولؐ نے
اللہ کو نکال رہے ہیں دلوں سے آپ

اقبال اسلام کو ایک زندہ جاوید اور عالم گیر حقیقت تسلیم کرتے ہیں۔ یہ ایک ایسا ضابطہ حیات ہے جو پوری انسانیت کو ایک مرکز پر مجتمع کر سکتا ہے۔ رشتۂ اخوت میں بندھے ہوئے مسلمانوں کو جب انگریز اپنی سازشوں اور چالوں سے منتشر کرتے ہیں تو اقبال ان پر طنز کے وار کرتے ہیں:

تفریق ملل حکمت افرنگ کا مقصود
اسلام کا مقصود فقط ملتِ آدم

اقبال نہیں چاہتے کہ مسلمان ذات پات کا شکار ہو کر دنیا میں ذلیل ہوں۔ ان کے نزدیک نسل، قوم اور جغرافیائی حدود جب اسلام پر غالب آ گئیں تو مسلمان کی حیثیت مٹ جائے گی۔ نسل پرستی کو تنقید کا نشانہ بناتے ہوئے لکھتے ہیں:

نسل اگر مسلم کی مذہب پر مقدم ہو گئی
اڑ گیا دنیا سے تو مانند خاک رہگزر

ڈاکٹر محمد باقر اس ضمن میں رقم طراز ہیں:

''قبائلیت گروہ بندی، افتخار نسب اور جغرافیائی حد بندی پر اقبال نے سب سے

پہلے اور سب سے کڑی تنقید کی ہے۔ اس سلسلے میں ان کا روئے سخن ہندی مسلمان سے رہا ہے جو شاید جغرافیائی حد بندی کا تو اتنا قائل نہ تھا لیکن قبائلیت، گروہ بندی اور افتخارِ نسب کا عملی طور پر قائل تھا۔ اقبال نے معاشرے کی اس ہیئت ترکیبی کی مذمت کی ہے۔''(۱۰)

اس حوالے سے اقبال لکھتے ہیں:

ہے مملکتِ ہند میں اِک طرفہ تماشا
اسلام ہے محبوس، مسلمان ہے آزاد!

اقبال کا مسلمانوں پر طنز کرنے کا مقصد انھیں دین سے دوری کا احساس دلا کر ان میں غیرت وحمیت پیدا کرنا ہے۔ اقبال دورِ حاضر کے مسلمان پر طنز کر کے اسے جگانے کی کوشش کرتے ہیں:

وہ مذہب تھا اقوام عہدِ کہن کا
یہ تہذیب حاضر کی سوداگری ہے

مسلمانوں کی خوئے غلامی پر تنقید کرتے ہوئے کہتے ہیں:

اگر قبول کرے دینِ مصطفیٰؐ انگریز
سیاہ روز مسلماں رہے گا پھر بھی غلام

ہندوستان کے مسلمان اکبر اور اقبال کے طنز کا دل چسپ موضوع رہے ہیں۔ اکبر نے اپنی طنزیہ اور مزاحیہ شاعری کے ذریعے مسلمانوں کی اصلاح کی بھرپور کوشش کی۔ اکبر نے ان مسلمانوں کو خوب تنقید کا نشانہ بنایا ہے جو اپنی مذہبی زندگی میں دہرا معیار اپنائے ہوئے ہیں۔ وہ خصوصاً ان مسلمان نوجوانوں کو ہدف بناتے ہیں جو دعویٰ تو مسلمان ہونے کا کرتے ہیں لیکن بود و باش کے اعتبار سے انگریزوں سے کم نہیں لگتے۔

ایک دن ایک گریجوایٹ حضرت اکبر کے پاس تشریف لائے۔ اس کی لیاقت، تاریخی واقفیت اور گفتگو سے وہ بہت زیادہ خوش ہوئے۔ اتنے میں مغرب کی اذان ہوئی۔ اذان سنتے ہی وہ بولے اجازت چاہتا ہوں۔ سب لوگ مصلے کی طرف بڑھے اور وہ دروازے کی طرف۔ اکبر الہ آبادی حیرت میں رہ گئے اور فرمانے لگے کہ مسلمانوں کے حال اور قال میں کتنا فرق ہے؟ اسی موقع پر یہ شعر کہا:

دل میں خاک اڑاتی ہے خالی لب و لہجہ دیکھیے
مذہب اب رخصت ہے بس تاریخ مذہب دیکھیے(۱۱)

اکبر نے مغربی طور طریقوں سے مرعوب اپنے عہد کے مسلمانوں پر طنزیہ انداز میں نوحہ خوانی کی ہے۔ مذہب سے بیگانہ، نئی روشنی کی چکا چوند کے نشے میں دھت نوجوان خود کو مسلمان کہتے ہوئے شرمندگی محسوس کرتے ہیں۔ اکبر اپنے ترکش سے زہر آلود طنزیہ تیر نکال کر ان پر خوب برساتے ہیں:

جو پوچھا مجھ سے دور چرخ نے کیا تو مسلماں ہے
میں گھبرایا کہ اس دریافت میں کیا راز پنہاں ہے
کروں اقرار تو شاید یہ بے مہری کرے مجھ سے
اگر انکار کرتا ہوں تو خوف قہر یزداں ہے

ڈاکٹر غلام حسین ذوالفقار اس حوالے سے رقم طراز ہیں:

''قدیم اور جدید کی بحث کا شکار بھی زیادہ تر مسلمان ہی تھے اور اکبر کو زیادہ افسوس بھی مسلمانوں کی اس ذہنی حالت پر آ رہا تھا جو اس کش مکش کے نتیجے میں پیدا ہو رہی تھی۔ ان کی طنز و ظرافت کا اہم موضوع جدید دور کے مسلمانوں کی یہی ذہنی حالت تھی۔ یہاں ان کے طنز میں بڑی کاٹ ہے۔ ظرافت نے اس میں زیادہ تلخی کو ابھرنے نہیں دیا۔ تاہم اس کے پس منظر میں جو تہذیبی و معاشرتی انتشار کارفرما ہے، اس کے پیشِ نظر اس طنز میں بڑی بلاغت ہے۔''(۱۲)

اکبر بار بار اپنے کلام میں اس امر کا اعتراف کرتے ہیں کہ جدید طریقوں نے اسلام اور مسلمانوں کو شدید نقصان پہنچایا ہے۔ اسلامی اقدار، عورتوں کا پردہ اور قدیم تہذیبی روایات معدوم ہو چکی ہیں۔ اکبر کو اس بات کا قلق و افسوس ہے کہ مسلمان اپنے شاندار ماضی کو فراموش کر کے رو بہ تنزل ہیں:

میں کب کہتا ہوں وہ مسلمان نہیں
سب میں چمکے ہوئے ہیں ، لاثانی ہیں

اسلام کی رونق کا کیا حال کہوں تم سے
کونسل میں بہت سید، مسجد میں فقط جمن

اکبر کی طرح مسلمان اقبال کا بھی پسندیدہ موضوع رہا ہے۔ انھوں نے اپنے کلام کے وسیلے سے مسلمانوں کو اپنی کھوئی ہوئی عظمت دوبارہ حاصل کرنے کی طرف متوجہ کیا۔ انھوں نے مسلمانوں کی بے عملی پر شدید طنز کی۔ وہ مسلمان کو گفتار کی بجائے کردار کا غازی بنانا چاہتے ہیں۔ سوز یقین اور ایمان کی حرارت سے محروم مسلمانوں کو ہدف تنقید بناتے ہوئے لکھتے ہیں:

محبت کا جنوں باقی نہیں ہے
مسلمانوں میں خوں باقی نہیں ہے
صفیں کج دل پریشاں ، سجدہ بے ذوق
کہ جذب اندروں باقی نہیں ہے

ڈاکٹر ملک حسن اختر اس ضمن میں لکھتے ہیں:

''مسلمانوں نے اسلام کا اقرار تو کیا ہے مگر اپنے عمل سے اس کا اقرار ثابت نہیں کیا اور جو عمل بھی کیا وہ صرف روایتی اور تقلیدی ہے۔ ان میں جدت کردار اور جوش کردار نہیں۔ مسلمان نماز تو پڑھتے ہیں مگر نماز کے تقاضوں کو پورا نہیں کرتے۔''(۱۳)

اقبال قلندرانہ طریقوں سے محروم اور یہود و نصاریٰ کی وضع قطع اپنانے والے مسلمانوں پر طنز کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

وضع میں تم ہو نصاریٰ تو تمدن میں ہنود
یہ مسلمان ہیں! جنھیں دیکھ کے شرمائیں یہود

ہر کوئی مست مئے ذوق تن آسانی ہے
تم مسلماں ہو! یہ اندازِ مسلمانی ہے

یوں تو سید بھی ہو، مرزا بھی ہو، افغان بھی ہو
تم سبھی کچھ ہو، بتاؤ تو مسلمان بھی ہو

اقبال عشقِ حقیقی سے محروم مسلمانوں پر تنقید کرتے ہوئے انھیں راکھ کے ڈھیر سے تشبیہ دیتے ہیں:

بجھی عشق کی آگ، اندھیر ہے
مسلماں نہیں راکھ کا ڈھیر ہے

اقبال مشرکانہ رسومات، نام نہاد پیروں اور سجادہ نشینوں کو بھی طنز کا نشانہ بناتے ہیں جو سادہ لوح مسلمانوں کو گمراہ کرنے پر تلے ہوئے ہیں۔ ڈاکٹر غلام حسین ذوالفقار اس حوالے سے لکھتے ہیں:

''اقبال اپنے گرد و پیش مشرکانہ رسوم اور محکومانہ طور طریقوں کو دیکھتے تھے اور مسلمانوں کی سادہ لوحی اور گمراہی پر تاسف کا اظہار کرنے کے ساتھ ساتھ زمانہ ساز پیروں اور سجادہ نشینوں کے کردار کو ہدفِ تنقید بنا رہے تھے۔''(۱۴)

انگریزی تہذیب کا مذاق اڑانا اکبر کا پسندیدہ مشغلہ ہے۔ انھیں انگریزی تہذیب سے کِد تھی۔ انگریزی تسلط کے بعد ہندوستانی معاشرے میں فروغ پانے والے مغربی رجحانات اور جدید طریقے ان کے لیے ناقابلِ قبول تھے۔ ان کے خیال میں مغربی تہذیب مسلمانوں کو ان کے اسلاف اور تاریخ سے دور کر رہی ہے۔ اس حوالے سے اکبر لکھتے ہیں:

چھوڑ لٹریچر کو اپنی ہسٹری کو بھول جا
شیخ و مسجد سے تعلق ترک کر اسکول جا

چار دن کی زندگی ہے کوفت سے کیا فائدہ
کھا ڈبل روٹی کلرکی کر خوشی سے پھول جا

اختر انصاری اس حوالے سے رقم طراز ہیں:

''اکبر کی شاعری ہنسنے ہنسانے کا ذریعہ نہیں بنائی جا سکتی۔ وہ ملک کی ابتری اور قوم کی بدحالی سے تڑپ اٹھتے تھے۔ وہ دیکھ رہے تھے کہ مغربیت اپنا سکہ جما رہی ہے اور ہم اس رو میں بہتے چلے جا رہے ہیں کہ اپنی تہذیب، اپنے تمدن اور اپنی معاشرت سے بیگانگی پیدا ہو گئی ہے۔ وہ دوسروں میں اپنے آپ کو گم کر دینے کو اپنی توہین سمجھتے تھے۔ باتوں باتوں میں کھری کھری سنانا اکبر ہی کا حصہ ہے۔ مذہب کی بیزاری اور نئی تہذیب کی فریفتگی پر وہ کیا کیا نہ تڑپے ہیں، کس کس انداز سے نشتر زنی کی ہے یہ کسی اور شاعر عصر کا کام نہ تھا۔''(۱۵)

اکبر انگریزی تہذیب کا خاکہ اڑاتے ہوئے لکھتے ہیں:

تہذیب نو جسے تم کہتے ہو، اس سے اکبر
دنیا بگڑ رہی ہے اب یا سنور رہی ہے
سودائے مغربی سے ہیں سب کے حواس گم
ایسی تپ چڑھی ہے کہ چہرے اتر گئے

ہندوستانی رسم و رواج اور اقدار و روایات سے اکبر کو بے حد محبت تھی۔ انھیں انگریزی تہذیب شروع سے ہی ایک آنکھ نہ بھاتی تھی۔ ہندوستان کے مقامی لوگوں نے جب انگریزی لباس اور فیشن اپنایا تو وہ ان پر خوب صورت انداز میں طنز یہ وار کرتے ہیں:

لیلیٰ نے سایہ پہنا، مجنوں نے کوٹ پہنا
ٹوکا جو میں نے بولے بس بس خموش رہنا
حسن و جنوں بدستور اپنی جگہ ہیں، لیکن
ہے لطف بحر ہستی فیشن کے ساتھ رہنا

اکبر نے نوجوانوں کی مغربی خواہشات پر خوب طنز کیا۔ رحیم دہلوی اس حوالے سے لکھتے ہیں:

''زیادہ طعن و ظرافت ممنوع ہے۔ خانہ جنگی بری ہے۔ میں خود اس کے خلاف وعظ کرتا ہوں۔ یہ اثرات اور جانب سے آ رہے ہیں۔ اس کے خلاف جہاد کرنا چاہیے یعنی مغربی خواہشات۔''(۱۶)

اقبال نے مغربی تہذیب و ثقافت کا قریب سے مشاہدہ کیا تھا اس لیے ان کے اشعار میں مغربی تہذیب سے بیزاری کے جذبات پائے جاتے ہیں۔ انھوں نے اپنے کلام کو ہندوستانیوں کو خوابِ

غفلت سے جگانے اور سامراجی قوتوں کے خلاف اکسانے کے لیے بطور ہتھیار استعمال کیا۔ انھوں نے ایک مجاہد کی طرح مغربی تہذیب کے خلاف جہاد کیا۔ ان کے طنزیہ اشعار سے گو مسلمان اپنا کھویا ہوا اقتدار تو واپس نہ لے سکے لیکن ان میں عظمتِ رفتہ کی بحالی کا جذبہ ضرور پیدا ہو گیا۔ ڈاکٹر محمد باقر اس ضمن میں لکھتے ہیں:

''اقبال کے مزاحیہ اشعار مقصدیت کے حامل ہیں۔ ان میں مغربی تہذیب اور اس تہذیب کا پیدا کیا ہوا جُبن موردِ طعن و تشنیع بنایا گیا ہے لیکن یہ مقصدیت صرف اسی فضا، اسی زمانے اور انھی لوگوں تک محدود اور ان کی نظر میں قابلِ صد ستائش ہے جو مغربی تہذیب اور اس کے اثرات سے متنفر ہیں۔'' (۱۷)

فساد قلب و نظر ہے فرنگ کی تہذیب
کہ روح اس مدنیت کی رہ سکی نہ عفیف

اٹھا کر پھینک دو باہر گلی میں
نئی تہذیب کے انڈے ہیں گندے

اقبال نے جب ہوش سنبھالا تو مغرب کی تہذیبی و ثقافتی یلغار کو مثلِ سیلاب مشرق کی جانب بڑھتے دیکھا۔ وہ مشرقی روایات و اقدار پر پختہ ایمان رکھتے تھے۔ اس لیے انھوں نے مغربی تہذیب کے مضر پہلوؤں پر کھل کر طنز کیا۔ ڈاکٹر ملک حسن اختر اس حوالے سے لکھتے ہیں:

''ملتِ اسلامیہ کے ذکر کے ساتھ فرنگیوں کا تذکرہ اقبال کے لیے ناگزیر ہو جاتا ہے۔ اہلِ یورپ عالمِ اسلام کے لیے مستقل خطرہ رہے ہیں۔ ان کے ہاتھوں میں مسلمان ذلت و پستی کے عمیق گڑھے میں گرے رہے۔ اس لیے جب بھی ان اقوام کا تذکرہ کرتے ہیں تو ان کے لہجے میں تلخی پیدا ہو جاتی ہے۔ شبلی بھی اہلِ فرنگ سے نفرت کرتے تھے لیکن اقبال کی نفرت شدید تر ہے۔'' (۱۸)

اقبال مغرب کے حوالے سے لکھتے ہیں:

یہ زائرین حریم مغرب ہزار رہبر بنیں ہمارے
ہمیں بھلا ان سے واسطہ کیا جو تجھ سے نا آشنا رہے ہیں

ترے صوفے ہیں افرنگی، ترے قالین ایرانی
لہو مجھ کو رلاتی ہے جوانوں کی تن آسانی

ڈاکٹر عبادت بریلوی اس حوالے سے لکھتے ہیں:

''علامہ اقبال کو غم ہے تو یہی کہ تہذیب مغرب جو زندگی سے ایک فرار ہے، اس نے ہماری قوم کے افراد اور نوجوانوں کو تن آسان بنا دیا ہے۔ خودی ان میں باقی نہیں رہی۔ اقبال تو اپنے ہر نوجوان کو ایک شمشیر کی صورت میں دیکھنا چاہتے تھے تا کہ وہ حق و باطل کی جنگ میں اپنے جوہر دکھا سکے جو اس وقت دنیا میں جاری ہے جس کے مضر اثرات سے ہر شخص پریشان حال ہے۔ ان کے خیال میں تہذیب مغرب کی کاٹ ضروری ہے۔''(۱۹)

اکبر نے اپنے عہد کے سیاسی حالات اور سیاسی اتار چڑھاؤ کو طنزیہ اور مزاحیہ انداز میں پیش کیا ہے۔ اس سے ان کی فکری گہرائی کا اندازہ ہوتا ہے۔ سیاسی موضوعات پر ان کے اشعار پڑھ کر پوری ہندوستانی سیاست کا نقشہ نظروں کے سامنے گھومنے لگتا ہے۔

ہر سمت مچی ہوئی ہے ہل چل
ہر در پہ یہ شور ہے کہ چل چل

ٹم ٹم ہے کہ گاڑیاں یا موٹر
جس پر دیکھو لدے ہیں ووٹر

اکبر سیاسی مقاصد کے اظہار کے لیے اپنے کلام میں بعض دفعہ علامتی انداز بھی اپناتے ہیں۔ انگریزوں کے اشاروں پر ناچنے والے سیاست دانوں کو وہ بندر سے تشبیہ دیتے ہیں اور انگریزوں کو مداری کہہ کر مبارک باد پیش کرتے ہیں:

بوزنے کو رقص پر کس بات کی میں داد دوں
ہاں یہ جائز ہے مداری کو مبارک باد دوں

صغریٰ مہدی اس حوالے سے لکھتی ہیں:

''اکبر کی شاعری میں طنز و مزاح کا عنصر زیادہ وہاں نظر آتا ہے جہاں انھوں نے بدیسی حکومت پر تنقید کی ہے اور سیاسی تحریکوں پر تبصرہ کیا ہے۔''(۲۰)

اکبر کے کلام سے اس عہد کے سیاسی شعور کا پتہ چلتا ہے۔ انھوں نے انگریزی حکومت اور مقامی سیاست کو موضوع بنا کر اپنے اشعار میں مزاح کی کیفیت پیدا کی ہے۔ قوم کے لیڈروں کو طنز کا نشانہ بناتے ہوئے لکھتے ہیں:

قوم کے غم میں ڈنر کھاتے ہیں حکام کے ساتھ
رنج لیڈر کو بہت ہیں مگر آرام کے ساتھ

عبدالماجد دریا آبادی اکبر کے سیاسی شعور کے ضمن میں رقم طراز ہیں:

''جب کبھی سیاسی کانٹوں کو مذہب و اخلاق کے دامن سے گستاخیاں کرتے دیکھتے تو قدرتاً یہ بات ان کے دل میں چبھ جاتی اور فوراً خارزار سیاست میں قدم رکھ کر کانٹوں کو ایک ایک کر کے چنتے۔''(۲۱)

سیاسی رہنماؤں کے اخلاق و کردار سے ہندوستانی معاشرت میں نفرت، بدی اور احساس کمتری کے جو جذبات پیدا ہوئے اقبال نے انھیں طنزیہ اور مزاحیہ انداز میں پیش کیا ہے۔ سیاست کے جملہ پہلوؤں کو انھوں نے بڑی چابکدستی سے بیان کیا ہے۔ سیاستدانوں کی اخلاقیات سے دوری اور انسانی بے حسی نے ہندوستانی معاشرے میں جو احساسِ محرومی اور انتشار پیدا کیا اقبال نے اسے تنقید کا نشانہ بنایا۔ اقبال سیاستدانوں کے دوغلے پن کو بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

اس کھیل میں تعین مراتب ہے ضروری
شاطر کی عنایت سے تو فرزیں ، میں پیادہ
بے چارہ پیادہ تو ہے اِک مہرۂ ناچیز
فرزیں سے بھی پوشیدہ ہے شاطر کا ارادہ

اقبال ہندوستان کے سیاستدانوں پر طنز کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ انھوں نے قوم کو رسوائی کے سوا کچھ نہیں دیا۔ وہ سیاست دانوں کو شعبدہ باز اور طلسم کار قرار دیتے ہیں۔ دولت کی ہوس اور موقع پرستی ان کا وطیرہ بن چکا ہے۔ یہ مکڑی کی طرح ہر وقت مکھی اور چیونٹی کے شکار کی تاک میں رہتے ہیں:

امید کیا ہے سیاست کے پیشواؤں سے — یہ خاک باز ہیں رکھتے ہیں خاک سے پیوند
ہمیشہ مور و مگس پر نگاہ ہے ان کی — جہاں میں ہے صفتِ عنکبوت ان کی کمند

اقبال فرنگی سیاست پر طنز کرتے ہوئے اسے شیطان کی لونڈی کہتے ہیں۔ وہ دین اور سیاست کو ایک دوسرے کے لیے لازم و ملزوم قرار دیتے ہیں۔ ان کے نزدیک دین سے دوری کی وجہ سے حکومتیں گمراہی کا شکار ہو جاتی ہیں اور عوام کا خون پانی کی طرح ارزاں ہو جاتا ہے۔ ذلت اور رسوائی عوام کا مقدر بن جاتی ہے۔ ڈاکٹر عبادت بریلوی اس حوالے سے لکھتے ہیں:

''اقبال کے خیال میں مسلمانوں کی رسوائی اس دور کا سب سے بڑا المیہ ہے۔ سیاستِ افرنگ نے اس کو شکار کر لیا ہے اور اس کا لہو پانی کی طرح ارزاں ہے۔ ملت ٹکڑے ٹکڑے ہو چکی ہے اور مسلمانوں میں یک جہتی باقی نہیں رہی۔ یہ سب سیاستِ افرنگ کا کرشمہ ہے۔''(۲۲)

اقبال سیاستِ فرنگ کو بے قابو جن قرار دیتے ہوئے اس کا مذاق اڑاتے ہیں:

مری نگاہ میں ہے یہ سیاست لادیں
کنیز اہرمن و دُوں نہاد و مردہ ضمیر

ہوئی ہے ترک کلیسا سے حاکمی آزاد
فرنگیوں کی سیاست ہے دیو بے زنجیر

حوالہ جات

۱۔ کلیم الدین احمد، پروفیسر، سخن ہائے گفتنی، لکھنؤ: ادارہ فروغ اردو، ۱۹۵۵ء، ص:۵۵

2. Willian Hazlitt, The English Comic Writers, London: Oxford University Press, 1951, P-2

۳۔ علی گڑھ میگزین، اکبر نمبر، ۱۹۵۰ء، ص:۳۰

۴۔ وزیر آغا، ڈاکٹر، اردو ادب میں طنز و مزاح، لاہور: مکتبہ عالیہ، ۲۰۰۷ء، ص:۱۱۳

۵۔ محمد رحیم دہلوی، حضرت اکبر کے شب و روز، کراچی: مکتبہ رضیہ، ۱۹۶۸ء، ص:۳۶

۶۔ علی اختر حیدر آبادی، مشمولہ: لسان العصر از اختر انصاری، کراچی: بزم اکبر، ۱۹۵۱ء، ص:۱۱

۷۔ وزیر آغا، ڈاکٹر، اُردو ادب میں طنز و مزاح، ص:۱۱۵

۸۔ غلام حسین ذوالفقار، ڈاکٹر، مطالعہ اکبر، لاہور: الفیصل ناشران، ۲۰۰۳ء، ص:۴۵

۹۔ خواجہ محمد زکریا، ڈاکٹر، اکبر الہ آبادی تحقیقی و تنقیدی مطالعہ، لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز، ۲۰۰۳ء، ص:۱۷۴۔۱۷۳

۱۰۔ محمد باقر، ڈاکٹر، احوال و آثار اقبال، لاہور: بزمِ اقبال، ۱۹۸۸ء، ص:۴۳

۱۱۔ تبسم نظامی، تذکرہ اکبر الہ آبادی، بمبئی: مکتبہ نظامی، ۱۹۴۸ء، ص:۲۰

۱۲۔ غلام حسین ذوالفقار، ڈاکٹر، مطالعہ اکبر، ص:۵۳

۱۳۔ ملک حسن اختر، ڈاکٹر، اطرافِ اقبال، لاہور: بزمِ اقبال، ۱۹۹۲ء، ص:۸۱

۱۴۔ غلام حسین ذوالفقار، ڈاکٹر، اقبال ایک مطالعہ، لاہور: بزمِ اقبال، ۱۹۷۷ء، ص:۸۹

۱۵۔ اختر انصاری، اکبر الہ آبادی لسان العصر، کراچی: بزمِ اکبر، ۱۹۵۱ء، ص:۱۹

۱۶۔ رحیم دہلوی، اکبر کے شب و روز، کراچی: مکتبہ رضیہ، ۱۹۶۸ء، ص:۲۲۴

۱۷۔ محمد باقر، ڈاکٹر، احوال و آثار اقبال، ص:۳۳

۱۸۔ ملک حسن اختر، ڈاکٹر، اطرافِ اقبال، ص:۳۶۳

۱۹۔ عبادت بریلوی، ڈاکٹر، اقبال احوال و افکار، لاہور: مکتبہ عالیہ، ۲۰۰۹ء، ص:۸۸

۲۰۔ صغریٰ مہدی، اکبر کی شاعری کا تنقیدی مطالعہ، دہلی: مکتبہ جامعہ لمیٹڈ، ۲۰۰۵ء، ص:۱۹۳

۲۱۔ عبدالماجد دریا آبادی، مقالاتِ ماجد، بمبئی: کتب خانہ تاج آفس، ۱۹۶۶ء، ص:۵۱

۲۲۔ عبادت بریلوی، ڈاکٹر، اقبال احوال و افکار، ص:۱۲۵

☆.....☆.....☆